تدوین حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات)

(۲۱)

اس پر الشعبی نے کہا کہ میں نے ان میں سے کس کس سے علم حاصل کیا ہے؟ زکریا نے بطور مثال کے حارث اعور اور صعصعہ کا نام لیا حالانکہ اس گروہ کے یہ ممتاز لوگ تھے، لیکن شعبی نے ہر ایک کے متعلق اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں اچھے خیالات ظاہر نہیں کئے، حارث اعور کے بارے میں کہا کہ حساب اور فرائض اگرچہ اسی شخص سے میں نے سیکھا ہے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ شخص وسواس کے مرض میں گرفتار تھا، صعصعہ کے متعلق کہا کہ بڑا اچھا بولنے والا آدمی تھا لیکن دین کی سمجھ اس میں بھی نہ تھی شعبی کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

كان خطيباً ولم يكن بفقيه۔ وہ واعظ بڑا اچھا تھا لیکن فقیہ نہ تھا۔

مث تذکرة الحفاظ

الذہبی نے اسی کے قریب الشعبی کے متعلق یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک دفعہ کہنے لگے کہ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں و مستفیدوں کے سوا میں نے تو کسی کو فقیہ کبھی خیال نہیں کیا اس پر ایک شخص نے ٹوکتے ہوئے ان لوگوں کا نام لینا شروع کیا جو ابن مسعود رض سے مستفید نہیں ہوئے تھے اور صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت میں شریک ہوگئے تھے، اس فہرست میں بھی حارث، ابن صبوہ، صعصعہ، رشید وغیرہ کا نام ہے اس وقت بھی الشعبی نے ہر ایک کے متعلق ان ہی خیالات کا اظہار کیا جن کا ذکر زکریا سے کیا تھا بلکہ رشید الہجری

کا وہ قصہ یعنی مدینہ پہنچنے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وفات کے بعد ملاقات کرنے کا قصہ اسی موقعہ پر بیان کیا تھا۔ تذکرۃ الحفاظ، لسان المیزان وغیرہ میں آپ کو ان چیزوں کی تفصیل مل سکتی ہے

بہر حال بادیۂ عرب کے مختلف گوشوں سے کوفہ کی چھاؤنی میں اس قسم کا ایک خاص طبقہ جو جمع ہو گیا جن کے ممتاز افراد کا میں نے ذکر کیا ان کے متعلق یہ سمجھنے کی بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اسلام کو انھوں نے اخلاص و صداقت کے ساتھ قبول نہیں کیا تھا، ان ہی لوگوں کے دوسرے حالات بھی ان ہی کتابوں میں ملتے ہیں جو ان کی راستبازی اور سرفروشی کی واضح شہادتوں پر مشتمل ہیں بلکہ آگے بڑھ کر میں تو یہاں تک کہنے کے لئے آمادہ ہوں کہ رشید ہجری کے اس قصہ کے سوا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں ملاقات کا اس نے دعویٰ کیا ہے جو ظاہر ہے کہ بے اصل واقعہ ہے، اس کے سوا قصداً غلط بیانی کا انتساب بھی اگر کل کی طرف نہیں تو ان کے سربرآوردہ افراد کی طرف مشکل ہے، مثلاً حارث اعور ہی ہیں آج ہی نہیں، الشعبی کے بعض بیانات میں ان کی طرف کذب کے انتساب کو پاکر اسی زمانہ میں بعض جلیل القدر بزرگوں نے اس پر اعتراض کیا تھا، حافظ ابن حجر نے تہذیب میں نقل کیا ہے کہ ابراہیم نخعی کے سامنے کسی نے شعبی کے اس دعویٰ کا جب ذکر کیا تو کہنے لگے کہ

اظن الشعبی عوقب بقولہ فی الحارث	میں خیال کرتا ہوں کہ الشعبی کو اسی کی سزا ملی جو
تہذیب ج ۲	حارث کے متعلق وہ کہتے تھے۔

اور یہ بھی یہی بات کہ حارث معمولی آدمی نہیں ہیں وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تعلیمی حلقہ کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتے ہیں حافظ ہی نے لکھا ہے کہ

تعلم الفرائض من علی ج ۲ ص ۱۴۶	فرائض کا علم حضرت علی ہی سے حارث نے سیکھا تھا

اور شعبی نے حارث ہی سے اس علم کو سیکھ کر کوفہ میں اس علم کی اشاعت کی، گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت دنیا میں فرائض کا علم جو پایا جاتا ہے شاید اس کی تعلیمی سند حارث ہی پر ختم ہوتی ہو، ابن سعد کے حوالہ سے خود اسی کتاب میں کسی موقعہ پر میں نے بھی نقل کیا ہے کہ اپنے دستِ مبارک

سے لکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حارث کو وہ نوشتہ دیا تھا جس میں "علم کثیر" تھا۔

اور ایک حارث ہی کا یہ حال نہیں ہے، حارث تو شعبی کے استاد تھے۔ کوفہ کی اسی جماعت کی مشہور شخصیت جابر بن یزید الجعفی کی ہے شعبی سے ہم عصری کا تعلق تھا۔ رائے قائم کرنے والوں کی رائیں اس شخص کے متعلق بھی عجیب ہیں، ایک بڑا طبقہ جابر پر معترض ہے، لیکن جابر کے مداحوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ واللہ اعلم اصل واقعہ کیا ہے لیکن جہاں تک اس طبقہ کے حالات کا میں نے مطالعہ کیا ہے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کردار سے زیادہ ان کا اصلی عیب یہ تھا کہ جعلی روایتوں کو صحیح حدیثوں سے جدا کرنے کا معیار یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان الفاظ میں جس کی تعبیر کی تھی کہ۔

حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون — لوگوں سے وہی باتیں (یعنی حدیث کے متعلق) بیان کرو جنہیں لوگ جانتے پہچانتے ہوں، اور جن سے نامانوس ہوں انھیں چھوڑ دو۔

اس علوی معیار کے استعمال سے اپنی خاص قسم کی دماغی کیفیت کی وجہ سے وہ معذور تھے آخر خود سوچنا چاہیئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مواجہہ مبارک میں اور وہ بھی بحالت خطبہ بھری مجلس میں بے دھڑک

اشہد انک ملک الدابہ — میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ دابہ تم ہی ہو۔

کہنے سے جو نہ جھجکتے ہوں اور اس قسم کے دوسرے رکیک و سخیف خیالات پر جنہیں اصرار ہو میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ ان لوگوں کی عقلیت اس کا فیصلہ کیسے کر سکتی تھی کہ اسلامی تعلیمات سے مانوس و غیر مانوس باتیں کون سی ہیں ان کی اسی عقلی سادگی سے نفع اٹھانے والے نفع اٹھاتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے قدرتاً حضرت والا کے ساتھ ان کی عقیدت غیر معمولی طور پر جوں کر بڑھی ہوئی تھی، حریفوں نے اسی کو ہتھکنڈا بنا لیا، حضرت کی طرف منسوب کر کے جس قسم کی باتیں چاہتے ان سے منوا لیتے تھے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ حارث اعور کے متعلق احمد بن صالح مصری کی طرف یہ قول جو منسوب کیا گیا ہے۔ یعنی کسی نے احمد کے سامنے

الشعبی کے اعتراض کا ذکر کیا تو جواب میں احمد نے کہا

لم یکن یکذب فی الحدیث انما کان کذبہ فی رائہ ص۲۱۲	اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حدیث کی روایت میں غلط بیانی سے کام لیتے تھے بلکہ رائے کی غلطی ان کی مراد ہے ۔

تقریباً یہ وہی توجیہ ہے جسے میں پیش کر رہا ہوں کہ قصداً حضرت علی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی جرأت یہ لوگ نہیں کر سکتے تھے ۔ ان کے دوسرے دینی حالات سے اس کی تردید ہوتی ہے ، البتہ ان لوگوں کی رائے یعنی عقاید و خیالات غلط تھے جن میں مبتلا ہو جانے کے بعد پھر صحیح و غیر صحیح روایتوں میں تمیز کی صلاحیت ہی آدمی میں باقی نہیں رہ سکتی آخر بادل سے حضرت علی کی آواز سننے کا جو انتظار کر سکتے ہوں ، آپ ان سے کیا چیز نہیں منوا سکتے الشعبی ہی سے براہ راست ذہبی نے حارث کے متعلق جو یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ

فخشیت علی نفسی منہ الوسواس تذکرہ ص۷۱	مجھے اس شخص کے متعلق اس کا اندیشہ ہے کہ وہ وسواس کے مرض میں مبتلا تھے ۔

اس سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے کہ شعبی کو حارث اعور کی عقلیت پر بھروسہ نہ تھا میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں ایک دوسری مثال سے بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں مذکورہ بالا طبقہ کی ممتاز اور نمایاں شخصیتوں کی فہرست جو میں نے پیش کی ہے دیکھئے اسی میں ایک صاحب ہیں حبۃ العرنی جن کا بھی نام ہے ابن معین کے حوالہ سے لسان المیزان کا وہ فقرہ ابھی گذرا ہے جس میں دوسروں کے ساتھ حبہ کے متعلق ان کا یہ فیصلہ تھا کہ لا یساوی شیئاً (کسی چیز کے برابر نہیں ہے) لیکن اسی کے ساتھ حافظ ابن حجر نے ہی تہذیب میں سلمہ بن کہیل جیسی باوقار اور مستند بزرگ ہستی کی یہ چشم دید شہادت بھی نقل کی ہے ۔

ما رأیتہ قط الا یقول سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر الا ان	میں نے کبھی اس کو نہیں دیکھا مگر اسی حال میں پایا کہ سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ کا ورد کر رہا ہو

یصلی او یحدث ناس ۔ تہذیب ج۷ ص۱۶۶ البتہ نماز پڑھ رہے ہوں یا ہم لوگوں سے حدیث بیان کرتے ہوں ،

عقلاً اسی قسم کی شخصیت کے متعلق یہ خیال کہ قصداً وہ جعلی روایتیں بنا بنا کر حضرت علی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا کرتے تھے ، شاید صحیح نہیں ہو سکتا اور یہی سوال ہے کہ نقد رجال کے ائمہ آخر حبہ کی روایتوں کی ایک حبہ بھی قیمت جو نہیں لگاتے ۔ ابن معین ہی نہیں ، دوری جوزجانی ، نسائی ابن خراش اور ان کے سوا بھی اس راہ کے ارباب تحقیق کی یہی رائے نقل کی گئی ہے کہ حدیث میں وہ کچھ نہ تھے ۔ (دیکھئے تہذیب لفظ حبۃ العرنی ص۱۶۶ ج۲) اور اب میں اسی سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں ۔

واقعہ یہ ہے کہ عہد عثمانی کے آخری سالوں میں غلط اور بے سروپا بے بنیاد روایتوں کا سیلاب مسلمانوں میں بہا دیا گیا تھا ۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جیسا کہ بتفصیل بتایا جا چکا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے ذاتی معلومات کی اشاعت سے اس طوفان کا مقابلہ مناسب خیال فرمایا ، اور اسی کے ساتھ صحیح اور غلط روایتوں کے جانچنے کا فطری اور عقلی معیار یعنی معروف ومانوس اور منکر وغیر مانوس باتوں میں تمیز کی جو کسوٹی مسلمانوں کو آپ نے عطا فرمائی اس کو دیکھ کر حریفوں کو دوسری چال سوجھی ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی زندگی کی حد تک تو خاموش رہے اور گو فتنہ کے سرغنوں کو بھی جہاں تک آپ سے ہو سکا ختم کر چکے تھے ۔ لیکن چند ہی دنوں کے بعد آپ کی شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آیا ۔ حکومت کی باگ جن ہاتھوں میں چلی گئی ، سیاسی مہمات کی مشغولیت نے دوسری طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ان کے لئے باقی نہ رکھا تھا ، چھپی دبی چنگاریاں فساد کی ملک کے مختلف گوشوں میں جو باقی رہ گئی تھیں ، ان کو بھڑکنے اور چمکنے کا ایک مغتنم موقع مل گیا ، واقعات بتلاتے ہیں کہ بقیۃ السیف افراد فتنہ پردازوں کے جو پوشیدہ تھے وہ پھر باہر نکل آئے ۔ جیسا کہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فوجیوں میں گھلے ملے تھے وہ حضرت کی فوج اور آپ کے طرفداروں کے حالات سے بھی خوب واقف تھے جانتے تھے اور ان کی ذہنی اور

دماغی کیفیتوں کا ساتھ رہنے کی وجہ سے بہت اچھا اور کافی تجربہ رکھتے تھے جیسا کہ معلوم ہے حضرت کے ساتھ دینے والوں میں غالب تعداد کوفہ کی چھاؤنی کے فوجیوں کی تھی کوفہ والوں میں عبداللہ بن مسعودؓ کے زمانہ کے جو لوگ تھے ان کو متاثر کرنا ان کے لئے آسان نہ تھا۔ البتہ بادیۂ عرب کے ان سادہ دل سپاہیوں میں کام کرنے کی کافی گنجائش نظر آئی، خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ اقدس سے جو زیادہ عقیدت رکھتے تھے اور ان کے قلوب مخالفوں کی سیاسی کامیابیوں اور اپنی ناکامیوں سے جیسا کہ چاہیے تھا مجروح و مغموم تھے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ امام برحق کے مقابلہ میں مخالف جماعت کیسے کامیاب ہو گئی۔ بہرحال اسی جماعت کے مختلف افراد کا انتخاب کیا گیا، اور کسی دوسرے کے نام سے نہیں، بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کر کے ان بے چاروں میں اپنی خود تراشیدہ روایتوں کی ترویج میں نفسیاتی اصول کے تحت جن میں وہ غیر معمولی مہارت رکھتے تھے بتدریج کوشش شروع کی۔ پھر زیادہ دن گذرنے نہ پاتے تھے کہ دیکھا گیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی واقعی روایت کردہ حدیثوں کے ساتھ مصنوعی اور جعلی روایتوں کا ایک انبار ان ہی لوگوں میں جمع ہو گیا جن کو اپنے اس عمل کے لئے فتنہ پردازوں کی اس ٹولی نے چنا تھا۔ خیال تو کیجئے کہ جابر بن یزید الجعفی جو تقریباً اسی زمانہ کا آدمی ہے یعنی الشعبی عکرمہ وغیرہ کا شاگرد ہے۔ ابتداء میں بے چارے کی دینی حالت غیر معمولی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بہتر تھی اچھے اچھے لوگ اس کے مداح تھے۔ سفیان ثوری، شعبہ، وکیع جیسے اکابر اس کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے تھے، لیکن خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ اسی آسیب زدہ جماعت سے اس کا تعلق ہو گیا کہتے ہیں کہ جابر کے استاد شعبی کو جب اس کی بھنک لگی تو بطور فہمائش کے اس کو سمجھایا بھی کہ جابر دیکھ! میں خیال کر رہا ہوں کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ کر مرے گا" (میزان ص ۱۷۶ ج ۱) مگر بدقسمت جابر فتنہ کا شکار ہو گیا اسی کے بعد یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ

انتقل العلم الذی کان فی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی علی ثم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو علم تھا، وہ حضرت علی تک منتقل ہوا اور علی سے امام حسن

من علی الی الحسن ثم لم یزل حتی بلغ جعفراً میزان ۱۵۲ ج ۱

تک یوں ہی وہ منتقل ہوتا ہوا جعفر تک (یعنی اسی شخص تک پہونچا)

ان روایتوں کی تعداد جن کے متعلق جابر مدعی تھا کہ امام جعفر کے والد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے اس کو پہنچی ہیں جو کچھ بتاتا تھا خود اس کی زبان سے براہ راست سننے والوں کا بیان ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ

سمعت جابراً یقول عندی سبعون الف حدیث عن ابی جعفر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلہا

میں نے سنا ہے جابر کہتا تھا کہ میرے پاس ستر ہزار ایسی روایتیں ہیں جو کل کی کل ابوجعفر (امام باقر علیہ السلام) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہونچیں

مقدمہ صحیح مسلم ۱۳۵

مسلم کے اسی مقدمہ میں ایک روایت پچاس ہزار کی بھی ہے، امام ابوحنیفہ تک کے سامنے اس نے تیس ہزار روایتوں کا دعویٰ کیا تھا تہذیب میں ہے

ان عندہ ثلثین الف حدیث لم نظہرہا ج ۲ تہذیب

تیس ہزار روایتیں ایسی ہیں (جسے کہتا تھا) کہ اس نے (یعنی جابر) نے لوگوں پر ظاہر نہ کیا

واللہ اعلم بالصواب جابر کے یہ دعوے اس کے خود تراشیدہ دعوے تھے یا جس جماعت میں وہ شریک ہو گیا تھا یعنی جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابن حبان نے لکھا ہے کہ

کان سبائیا من اصحاب عبد اللہ بن سبا ص ۱۵۲ میزان ج ۱

جابر دراصل سبائی تھا یعنی عبد اللہ بن سبا کے لوگوں میں سے تھا۔

ان لوگوں سے یہ چیزیں اس تک پہنچی تھیں، اس کے ابتدائی حالات جو بیان کئے گئے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ قرین عقل وقیاس یہی ہے کہ جھوٹ کا یہ طومار دوسروں ہی سے اس

لے اسی مقصد کو کبھی ان الفاظ میں ادا کرتا کہ رسول اللہ نے حضرت علی کو بلایا، اور جو کچھ آپ کو خدا سے علم ملا تھا سب آپ کو سکھلایا حضرت علی نے امام حسن کو امام حسن نے امام حسین کو حسین نے بیٹے کو تا اینکہ امام جعفر صادق تک اس تعلیم کو پہنچایا۔ ص ۱۵۲ میزان ج ۱

تک پہنچا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

میری غرض تو صرف یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے پھیلانے والوں نے جھوٹ کے جس سمندر کو انڈیل دیا تھا، اس کا اندازہ آپ کو صرف اسی ایک قطرے سے ہو سکتا ہے، آخر جب ایک ایک آدمی اپنے پاس ستر ستر ہزار، پچاس پچاس ہزار روایتوں کا پشتارہ رکھتا ہو تو مجموعی طور پر ان روایتوں کی مقدار کیا ہو گی، جو حضرت والا کے اسم مبارک کی طرف منسوب کر کر کے اسی قسم کے مفتون لوگوں میں پھیلا دی گئی ہوں گی۔

انتہا یہ ہے کہ جیسے حضرت والا کی طرف سے تحریری شکل میں بعض روایتوں کی اشاعت عمل میں آئی تھی، ان لوگوں نے اس سے بھی نفع اٹھایا یعنی سینوں سے سینوں میں جو کچھ وہ منتقل کر رہے تھے وہ تو خیر کر ہی رہے تھے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نوشتوں کو دیکھ دیکھ کر لکھ لکھ کر جعلی روایتوں کی کتابوں کو حضرت والا کے اسم گرامی کی طرف منسوب کر کے پھیلانے والے پھیلا رہے تھے امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں نقل کیا ہے کہ

اتی ابن عباس بکتاب فیہ قضاء علی فمحاہ الا قدر واشار سفیان بذراعہ صفحہ ۱۲۹	ابن عباس کے سامنے ایک کتاب پیش ہوئی جس میں (کہا جاتا تھا) کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے ہیں، حضرت ابن عباس نے اس کتاب کو لے کر مٹانا شروع کیا مگر اتنا سفیان نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا یعنی ایک ہاتھ کے برابر کتاب کو باقی رکھا۔

مگر ظاہر ہے کہ ابن عباس ہی جیسی ہستی اس کی جرأت کر سکتی تھی، بلکہ قاضی ابن ابی ملیکہ جو طائف

۱؎ آخر خود خیال کیجئے وکیع بن الجراح جیسے امام تک جس کے متعلق یہ کہتے ہوں کہ خواہ اور کسی چیز میں تم شک کرو لیکن جابر معتبر اور ثقہ آدمی ہے اس میں شک نہ کرنا چاہئے سفیان ثوری کی عقیدت کا حال ابتدا میں اسی کے متعلق اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ نقد رجال کے امام شعبہ نے جابر پر جب جرح کا ارادہ کیا تو سفیان نے کہلا بھیجا تھا کہ جابر پر اگر تم کلام کرو گے تو میں پھر تم پر کلام کروں گا۔ ۱۲

کے قاضی تھے ان کے جس قصہ کا ذکر اسی مقدمہ میں امام مسلم نے کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عباسؓ کو ابن ابی ملیکہ نے لکھ بھیجا کہ آپ میری راہ نمائی کے لئے کوئی کتاب لکھ کر بھیج دیجئے حضرت ابن عباس نے اسی "قضائے علی" نامی کتاب کو منگوایا آپ نے چاہا کہ اسی کی نقل کر کے بھیج دوں، لیکن جب لکھنے بیٹھے تو راوی کا بیان ہے

فیمر به الشیئ فیقول والله ما قضی	ان کے سامنے کوئی بات آتی، تو فرماتے قسم ہے خدا
بهذا علی الا ان یکون قد ضل (مسلم)	کی نہ فیصلہ کیا علی نے یہ مگر یہ کہ وہ راہ سے بھٹک گئے

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ قطعاً نہ تھا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف ضلالت اور بھٹک جانے کا العیاذ باللہ الزام لگا رہے تھے بلکہ اس کی مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے یہ دعویٰ تو وہی کر سکتا ہے جو اسلام کا منکر ہو گیا ہو، ظاہر ہے کہ مقصد اس قسم کے طرز بیان سے یہ ہوتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے یہ دین اسلام کا ایسا بدیہی اور واضح عقیدہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے کوئی اس دعویٰ کا مدعی نہیں ہو سکتا اسی طرح ابن عباس کا مقصد بھی مذکورہ بالا تعبیر سے محض ان جعلی اقوال کی نوعیت کا اظہار ہے یعنی ان کا مصنوعی ہونا اتنا واضح ہے کہ گمراہ ہوئے بغیر ایسا فیصلہ حضرت علی کر ہی نہیں سکتے، الغرض روایت کا وہی معیار جس سے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے روایات کی تنقید میں کام لینے کی ہدایت فرمائی تھی اور آپ سن چکے کہ ابن عباس نے بھی

فلا ناخذ الا ما نعرف	اب ہم نہیں قبول کرتے مگر ان ہی روایتوں کو جو جانی پہچانی مانوس ہیں۔

کے الفاظ سے اسی طریقہ کار کا اظہار بھی فرمایا تھا لیکن ظاہر ہے کہ ابن عباس ہونا تو خیر بڑی بات ہے جس قسم کی بصیرت اور پختہ نظری کثرت مشق اور مزاولت، نیز دوسرے اسباب کے تحت ان میں پیدا ہو گئی تھی یہ بات ہر کس و ناکس کو کیسے میسر آ سکتی تھی نتیجہ وہی ہوا جو بداندیشوں نے سوچا تھا، یہی نہیں کہ جھوٹ کا ایک سیلاب سارے اسلامی علاقوں میں پھیل گیا، عبدالملک بن مروان نے اپنے ایک مدنی خطبہ میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دفعہ کہا تھا کہ

وقد سالت علینا احادیث من قبل — المشرق (عراق وغیرہ جن میں کوفہ بصرہ وغیرہ الامصار
ھذا المشرق ولا نعرفھا — تھے) وہاں سے حدیثوں کا ایسا سیلاب بہ کر ہماری طرف
ابن سعد صفحہ ۱۶۵ ج ۵ — آگیا ہے جنہیں ہم نہیں پہچانتے۔

ظاہر ہے کہ "ھذا المشرق" سے عبدالملک کا اشارہ اسی مشرقی شمالی حصہ کی طرف تھا جہاں سے یہ طوفان اٹھایا گیا تھا، شاید پہلے بھی اس کا کہیں ذکر آچکا ہے کہ یہ اُموی فرماں روا عبدالملک زمانہ تک علم حدیث کا طالب العلم رہ چکا تھا اور ممتاز و نمایاں طلبہ میں اس کا شمار تھا اس لئے اس کے قول کو میں نے نقل بھی کیا کہ اس وقت وہ بادشاہ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ حدیث کے ایک طالب العلم کی حیثیت سے گفتگو کر رہا تھا اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد اس فتنہ کے نتائج و آثار کو کتنی دنوں تک اور کتنے دور دور فاصلوں پر لوگ محسوس کر رہے تھے۔

اور قصہ صرف اسی پر ختم ہو جاتا تو سمجھا جاتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے آخری سالوں میں جو مصیبت دراندازوں کے ہاتھوں حدیث کے اس علم پر نازل ہوئی تھی، یعنی وہی مصیبت جس کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جیسا کہ گذر چکا ترکنا الحدیث عنہ (یعنی رسول اللہ سے حدیثوں کی روایت کو ہم نے چھوڑ دیا) کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گویا یہی مصیبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد پھر واپس ہوگئی لیکن اس مصیبت کے مقابلہ کے لئے عوام کے لئے نہ سہی مگر خواص کے لئے تو لم نأخذ من الناس الا ما نعرف (ہم نہیں قبول کریں گے لوگوں سے مگر ان حدیثوں کو جنہیں ہم جانتے پہچانتے ہیں) کا معیار تو رہ گیا تھا۔

مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے جن معلومات اور مسموعات کی اشاعت کی طرف توجہ فرمائی تھی ظاہر ہے کہ وہ معمولی معلومات نہ تھے یوں بھی سوچنا چاہئے کہ حضرت علی جو آٹھ نو سال کی عمر سے آخر وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور بقول شخصے اسی وقت بہ ظاہر علیحدہ ہوئے۔ جب دیکھا گیا کہ دفن کر کے روضۂ پاک سے وہ باہر نکل رہے ہیں اس دوامی رفاقت و استمراری معیت کے ساتھ ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

ان کے جو گوناگوں روابط تھے اور ان روابط کی وجہ سے نبوت کے متعلق معلومات کا جو قیمتی سرمایہ ان کے پاس جمع ہو گیا تھا خیال کرنے کی بات ہے کہ معلومات کا یہی سرمایہ جب وقفِ عام کر دیا گیا ہو تو اس غیر مترقبہ نعمت کی قدر و قیمت کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے بقول حافظ الدنیا شیخ ابن حجر کہ پیغمبر کے متعلق جس شخص کے معلومات کا یہ حال ہو کہ

هذه عائشة اخص ازواج النبي	یہ عائشہ صدیقہ جو رسول اللہ کی تمام بیویوں میں سب سے
صلی الله علیه وسلم تقول لسائلها	زیادہ خصوصیت رکھتی ہیں، جب ان سے رسول اللہ
عن شئ من احوال النبي صلی الله	صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے متعلق کوئی کچھ دریافت
علیه وسلم سل علیا تہذیب ج ۲ ص	کرتا تو فرماتیں کہ علی سے پوچھو

یہ آخری حد توثیق اس علم کی وسعت کے متعلق ہو سکتی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس تھا لیکن اس علم کا انجام بھی کیا ہوا؟ کسی دوسری جماعت کے آدمی نے نہیں بلکہ ایک ایسے شخص سے "جو اصحابِ علی" میں شمار ہوتے تھے ان ہی سے مشہور کوفی امام ابو اسحاق السبیعی سے براہ راست یہ شہادت سنی، امام مسلم ہی نے اپنے مقدمہ میں اس کو بھی نقل کیا ہے یعنی

عن ابي اسحاق قال لما احدثوا	ابو اسحاق سے ان کا یہ بیان نقل کیا جاتا ہے وہ کہتے
تلك الاشياء بعد علي قال رجل	تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد
من اصحاب علي قاتلهم الله اى علم	جو نئی باتیں لوگوں نے پھیلائیں تو ایک شخص جو حضرت
افسدوا ص ۱۲	علی کرم اللہ وجہہ کے صحبت یافتوں میں تھا کہا کرتا تھا

کس علم کو ان لوگوں نے غارت کیا۔

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے جن معلومات کی اشاعت کو فہ پہنچ کر فرمائی تھی وہ ان جعلی اقوال اور خود تراشیدہ روایتوں کے ساتھ مخلوط ہو کر جنہیں مفسدوں کے اس گروہ نے حضرت والا کی طرف منسوب کر کے زبانی اور کتابی دونوں شکلوں میں پھیلا دیا تھا ان ہی میں گم ہو گئے یا شارح علامہ کے الفاظ میں مذکورہ قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

تقولوا علیہ الا اباطیل واضافوا الیہ	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف جھوٹی گنگھڑت خود
الروایات والاقاویل المفتعلۃ والمختلقۃ	ساختہ روایتیں ان لوگوں نے منسوب کیں اور جو
وخلطوہ بالحق فلم یتمیز ما ھو صحیح	صحیح روایتیں تھیں اس حق کے ساتھ جھوٹ کو انھوں
عنہ مما اختلقوہ فتح الملہم ص۱۲۹	نے ملادیا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی کی صحیح روایتوں اور ان
	کی جعلی روایتوں میں ایسا اشتباہ پیدا ہوگیا کہ دونوں گڈمڈ ہوگئے

اور میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ حق کی اشاعت باطل کے زور کو توڑنے کے لئے کی گئی تھی لیکن باطل والوں نے اسی اشاعتِ حق کو اباطیل اور خرافات کی ترویج کا ذریعہ بنالیا۔ اس کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوفہ پہنچ کر حضرت والا نے اپنے جدید معلومات کی اشاعت کی ہے پانچ سچی باتوں کے ساتھ پچاس جعلی روایتوں کا انتساب اسی لئے آسان ہوگیا ورنہ سرے سے حضرت کی طرف سے اگر کسی چیز کی اشاعت عمل میں نہ آتی تو شاید اتنی آسانی کے ساتھ اپنی مختلقہ وخود تراشیدہ من گھڑت روایتوں کے منوالینے میں ان کو کامیابی نہیں ہوتی گویا شاعر کی وہی بات ایک حیثیت سے صادق آئی کہ

شد غلامے کہ آب جو آرد   آب جو آمد و غلام ببرد

ٹھیک اس کی مثال وہی ہے جس کا ذکر مورخین نے نحوی مسائل کے متعلق کیا ہے یعنی ابوالاسود دوئلی کو جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نحو کے چند بنیادی کلیات کی طرف جو رہنمائی فرمائی تھی ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ عبدالرحمن بن اسحاق الزجاجی کی امالی میں حضرت علی کے بتائے ہوئے یہ کلیات

نحو من عشرۃ اسطر ص۳۲ ج ۲	تقریباً دس سطروں سے

سے زیادہ نہ تھے لیکن ابراہیم بن عقیل نے جو ابکری الکرمانی کی نسبت سے مشہور تھے ان حضرت نے دس سطروں کو دس ورقوں میں پھیلا کر سب کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کردیا اور اس کا نام "التعلیقہ" رکھ دیا تھا۔ ابن عساکر کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ ان ہی دس سطروں کو

جعل ھذا الشیخ ابراھیم قریبا من	انھیں شیخ ابراہیم نے ان ہی دس سطروں کو دس ورق

عشرۃ اوراق تاریخ دمشق صفحہ ۲۲ ج۲ بنادئے۔

اور ایک یہی کیا زندگی کے کن کن شعبوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اسم مبارک سے پھیلانے والوں نے دنیا میں کیا کچھ نہیں پھیلایا ہے جس کی داستان طویل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد کا یہ حملہ اس حملہ سے کہیں زیادہ تباہ کن اور زیادہ سخت تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں علم حدیث پر کیا گیا تھا، ایسی گہری نقابی تاریکیاں پھیلا دی گئیں کہ حق و باطل کے امتیاز کی کوئی شکل باقی نہ رہی تھی اور قریب تھا کہ ہمیشہ کے لئے اس علم کا جہاز غرقاب ہی ہو جاوے، لے دے کر روایت کا وہی ایک معیار رہ گیا تھا، لیکن بار بار عرض کر چکا ہوں کہ ہر شخص میں اس کے استعمال کا صحیح سلیقہ ہونا آسان نہیں ہے اور دشواری اسی پر پہنچ کر ختم نہیں ہو گئی تھی، اس سے بھی بہت زیادہ پیچیدہ مسئلہ دوسرا تھا، اور اب اسی کی میں تفصیل کرنا چاہتا ہوں اور یہ مسئلہ بجائے خود جتنا بھی دشوار ہو لیکن درحقیقت ہر کلی ضابطہ کی یہ عام دشواری ہے، مشق و مزاولت، تکرار و کثرت، تجربہ سے پیدا ہونے والی بصیرت و حذاقت، سلیقہ و ملکہ کی ضرورت جیسے درایت کے اس معیار کے استعمال میں پیش آتی ہے بجنسہٖ انہی امور کی ضرورت اس وقت بھی ہوتی ہے جب کسی فن کے جزئیات پر کلیات کو منطبق کر کے نتیجہ تک لوگ پہنچنا چاہتے ہیں۔ طب ہی کو لیجئے محض امراض کے کلی علامات و آثار اسباب خواص کے جان لینے کے ساتھ ہی کیا آدمی طبیب حاذق بن جاتا ہے الغرض ع

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

اس قسم کی تمام چیزوں کا عام قاعدہ ہے اسی میں درایت اور عقل کے وہ قوانین بھی شریک ہیں جن سے روایات کی تنقید و تنقیح یا چھان بین جانچ پڑتال میں کام لیا جاتا ہے، اصطلاحاً ان ہی قوانین کا نام "معیار درایت" رکھ دیا گیا ہے، پس مسئلہ اگر عام روایتوں اور خبروں کا ہوتا تو اس پر قابو پا لینے میں چنداں دشواری پیش نہ آتی، لیکن یہاں سوال روایتوں کے اس خاص ذخیرے کے متعلق ہے جسے کسی دین یا مذہب کی پشت پناہی حاصل ہو گئی ہو۔

یوں کہنے کے لئے جس کے جی میں آئے جو کچھ چاہے کہہ دے لیکن درایت کا یہ عجیب معیار ان مذہبی روایتوں کے رد و قبول کے لئے اگر کافی ہوتا تو آج دنیا کے اکثر مذاہب و ادیان کی میتھولوجی یا دیومالا یا اساطیر الاولین جیسے خرافاتی اوہام کے ان پشتاروں سے خالی اور دینی نظر نہ آتی، خرافات اوہام کا وہی پشتارہ جس کی بدولت آج مذاہب و ادیان دیوارِ قہقہہ یا اضحوکۂ اطفال بنے ہوئے ہیں۔

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ مذہب کی طرف منسوب ہو جانے کے ساتھ ہی روایتوں کے اس ذخیرے میں ہمیشہ ایک خاص قسم کا تقدس پیدا ہو جاتا تھا، ایسا تقدس جس کے بعد پوچھنے والوں کے لئے یہ پوچھنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تھی کہ آخر ان کے منسوب کرنے والے کون لوگ ہیں، انھوں نے مذہب کی طرف ان روایتوں کو کس بنیاد پر منسوب کیا؟ کب منسوب کیا؟ کیوں منسوب کیا؟ بس اتنی بات کہ مذہب میں یوں ہی آیا ہے، مذہب یہی کہتا ہے، مذہبی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے، مذہب کے علماء یہی کہتے ہیں، یہ اور اسی قسم کے چند گنے چنے ڈھلے ڈھلائے فقروں میں اتنا زور تھا کہ منہ اور زبان ہی نہیں بلکہ دلوں اور دماغوں پر خاموشی طاری ہو جاتی تھی، ان کے مقابلہ میں کچھ کہنا تو خیر بڑی بات تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کچھ سوچنا بھی گویا جرم بن جاتا تھا باقی ان روایتوں کی راہ سے مذہب کے عقاید و مسلمات میں جو چیزیں شریک ہوتی رہتی تھیں، ایک تو مذہبی روایات کا مقدس غلاف ان پر چڑھا ہوا تھا، وہی دھمکی بن کر ان لوگوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا، جو کسی قسم کا سوال ان کے متعلق کرنا چاہتے تھے، اور دوسری بات یہ تھی کہ مذہبی روایات کے اس غلاف سے نکل کر ایک ایسے عالم میں پہنچ جاتی تھیں، جہاں حواس کے ہاتھ کوتاہ، اور عقل کا چراغ گل ہو جاتا تھا، یعنی غیب کے اس عالم میں داخل ہو جاتی تھیں جس کا مذہب عالم کے اس محسوس نظام میں تنہا سفیر اور ترجمان ہے، درایت کے معیار پر رکھ کر غیب میں شریک ہو جانے والے ان عقاید و مسلمات کے پرکھنے اور جانچنے کی شکل ہی کیا تھی؟ غیب سے مذاہب کا جو جوہری تعلق ہے اس سے قطع نظر کر کے اگر ان کی تنقید میں بھی وہی طریقہ اختیار کیا جاتا جس سے دنیا کے عام حوادث و واقعات کی خبروں کی چھان بین میں کام لیا جاتا ہے تو غیب سے بے تعلق ہو جانے کے بعد مذہب مذہب ہی باقی نہیں رہتا اسی کا نتیجہ ہے کہ مذہبی حقائق اور دین کے غیبی امور کی جانچ پڑتال میں جن لوگوں نے یہ راہ جس زمانہ میں بھی

اختیار کی ہے۔ آخری انجام ان کی کوششوں کا یہی ہوا ہے کہ مذہب چند بے جان مادی رسوم کا صرف ایک ایسا خشک مجموعہ بن کر رہ گیا ہے کہ غیر تو غیر خود تنقید کرنے والوں کے لئے بھی اس نام نہاد مذہب میں کوئی دل آویزی اور دلچسپی باقی نہیں رہی ہے، اس قسم کی کوششوں کا پہلے بھی ہمیشہ یہی انجام ہوا ہے اور آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ یہی انجام ان کا ہو رہا ہے۔

اور مذہب کے اس غیبی تعلق کو زندہ و تر و تازہ رکھتے ہوئے درایت کے اس معیار کو مذہبی روایتوں اور ان کے مشتملات کی تنقید کے لئے جنہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے ہیں اٹھانے کے ساتھ ہی ان کو خود بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ اچٹ جانے والے ایک اوچھے ہتھیار سے زیادہ کوئی کام وہ انجام نہیں دے سکتا، اس کا اقرار کیا جائے یا نہ کیا جائے لیکن ہوتا یہی ہے اور واقعہ کی جو صورت مذہب میں ہے اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ دنیا کے سارے مذاہب و ادیان کا خزانہ اس قسم کے خرافات سے جو اٹا ہوا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ درایت کے اس معیار سے وہ ناواقف تھے میرے خیال میں یہ واقعہ کا انکار ہوگا تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے بلکہ اجمالاً اتنا اشارہ کافی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے خرافاتی مذاہب بھی یعنی متعلق جن کے دامن بھرے ہوئے ہیں ان کے ماننے والوں نے دنیا کے حوادث و واقعات کی تحقیق و تنقیح درایت کے اسی معیار کی مدد سے کی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف ان کا مذہب صرف خرافات کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے تو دوسری طرف ایسے بے شمار علوم و فنون کے وہ بانی نظر آتے ہیں جن میں حق کو باطل سے صحیح کو غلط سے درست کو نادرست سے الگ کرنے کی کامیاب کوششیں کی گئی ہیں۔ بھلا ان ہی لوگوں کے متعلق کسی حیثیت سے بھی یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے کہ واقعات کی تنقیح میں درایت کے اس معیار سے کام لینا وہ نہیں جانتے تھے یا اس معیار سے انھوں نے کام نہیں لیا تھا یا نہیں لیتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ درایت کا یہ معیار بجائے خود جتنا بھی اہم ہو لیکن زیادہ تر اس کی اہمیت کا تعلق دنیا کے عام حوادث و واقعات سے ہے بلا شبہ ان کی متعلقہ خبروں کی تنقید میں اس کی گرفت سخت ہوتی ہے لیکن بات جب غیب میں چلی جاتی ہے تو جیسا کہ میں نے عرض کیا اس وقت ایک معمولی اوچھے ہتھیار سے زیادہ درایت کے اس معیار کی وقعت باقی نہیں رہتی اسی لئے مذہبی روایات جو بہر حال غیبی تعلقات کا سہارا لئے رہتے

ہیں ان کی تنقید و تنقیح میں یہ تو غلط ہے کہ سرے سے اس معیار کو استعمال ہی نہیں کرنا چاہئے میں بتا چکا ہوں کہ ہمارے محدثین نے انتہائی فراخ چشمیوں کے ساتھ حدیثوں کی تنقید میں اس سے کام لیا ہے اور کام لینے کی ہدایت کی ہے اور محدثین کیا آپ سن چکے کہ خود سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی نے اس کی تعلیم دی تھی، بلکہ بعض روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس معیار کے استعمال کی ہدایت فرمائی گئی ہے، آگے بڑھ کر کوئی چاہے تو قرآن میں بھی اس کے اشارے پا سکتا ہے[1]۔

---

[1] حافظ ابو عمر بن عبد البر کی کتاب جامع العلم میں اور الخطیب کے کتابہ میں، نیز دوسری کتابوں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض ایسی حدیثیں روایت کی گئی ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ مسلمان اپنے احساسات سے مانوس جن حدیثوں کو پائیں تو ان کو قبول کرنا چاہئے اور جن میں ان کے احساسات اجنبیت محسوس کریں ان کو رد کر دینا چاہئے الفاظ یہ نقل کئے جاتے ہیں اذا سمعتم الحدیث عنی تعرفہ قلوبکم وتلین لہ اشعارکم وابشارکم وترون انہ منکم قریب فانا اولاکم بہ واذا سمعتم الحدیث عنی تنکرہ قلوبکم وتنفر منہ اشعارکم وابشارکم وترون انہ منکم بعید فانا ابعدکم منہ (دیکھو کتابیہ ص۴۳۲) یعنی جب میری طرف منسوب کر کے حدیث بیان کی جائے تو تمہارے دل جسے پہچانتے ہوں اور تمہارے بال اور کھال جس کے لئے نرم پڑ جائیں اور پاؤ کہ وہ تم سے قریب ہے تو اس حدیث کے متعلق سمجھو میں تم سے قریب ہوں اور اس کے برخلاف پاؤ تو میں اس حدیث سے دور ہوں مگر ظاہر ہے کہ ان احساسات سے مقصود مسلمانوں کے وہی احساسات ہیں جو قرآن کے زیر اثر ان میں پیدا ہوتے ہیں جس کی تعبیر میں قرآنی عقلیت یا ایمانی ذہنیت سے کرتا ہوں۔ باقی دین باختوں کی وہ عقلیت جس سے قرآنی تعلیمات بھی بسا اوقات اچٹ جاتے ہیں ان کو دینی روایات کی تنقید کا جو معیار بنائے گا وہ حدیث تو حدیث شاید بیسیوں قرآنی آیات کو قرآن سے العیاذ باللہ نکالنے پر مجبور ہوگا بہر حال مذکورہ بالا روایت اگر صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روایت کے اسی معیار کو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح قرآن میں امن اور خوف کی خبروں کے متعلق جو حکم دیا گیا ہے کہ عوام ان کی اشاعت نہ کریں بلکہ رسول یا رسول نہ ہوں تو مسلمانوں میں امر اور حکم کا اختیار جن لوگوں کو ہو ان تک پہنچا دیں، اور اس کے بعد یہ ارشاد ہوا ہے کہ یہی لوگ استنباط سے کام لیں گے یعنی صحیح اجزا کو غلط اجزا سے جدا کر لیں گے (دیکھو سورۃ نساء) کیا استنباط کا یہ عمل اصول درایت ہی کے استعمال کی تعبیر نہیں ہے ۱۲